التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۱۵، شمارہ ۱۵، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱

رنگِ خیال

اقتصادیات کی تشکیل جدید۔ ایک عالمی ضرورت

پاکستان کے ایک معاصر انگریزی اخبار میں ۱۶ جون ۲۰۰۹ء کو ایک فتویٰ بصورت خبر شائع ہوا کہ حکومت مصر کو چاہیے کہ وہ اپنے تیل، گیس و دیگر معدنی وسائل سے حاصل ہونے والی قومی دولت کا بیس فیصد حصہ صرف غرباء کے لیے مختص کرے، جو اشیائے ضرورت کو مہنگی ہونے کے سبب بمشکل خرید پا رہے ہیں۔ یہ فتویٰ الازہر یونیورسٹی (قاہرہ) کے ایک استاد جناب رفعت عثمان کی جانب سے جاری کیا گیا ہے۔ فتویٰ کی بنیاد اس حدیث پر رکھی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام دھاتوں اور معدنیات خواہ وہ ٹھوس ہوں یا مائع، ان سب پر بیس فیصد زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ مصر کے معاشی حالات کے تناظر میں یہ فتویٰ "تیری آواز مکے اور مدینے" کا مصداق نظر آتا ہے۔ دیگر مسلم ممالک کو بھی اس فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔ ہمارے ملکی حالات بھی ناگفتہ بہ ہیں۔ غربت کے پھیلاؤ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ غریبوں کی قوت خرید، دم توڑ رہی ہے۔ مایوسیوں کے مہیب بادل چہار سو امڈے ہوئے ہیں۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی، کوئی امید بر نہیں آتی۔ اور افسوس کہ ہمارے ہاں ابھی تک کسی مفتی کو ایسا فتویٰ جاری کرنے کا خیال نہیں آیا۔ کاش ایسے فتوے ہمارے مفتیان پاکستان کی جانب سے بھی بر وقت جاری ہو پاتے۔

قرآن مجید نے مکی آیات میں اپنے زمانۂ نزول کی معاشی صورتحال کی غارت گری کو مختلف اسالیب میں نمایاں کیا ہے۔ ان آیات کریمہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی

تعلیمات صرف "عبادات" کی حد تک بندوں کی رہنمائی نہیں کرتیں بلکہ معاشی و عمرانی تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہیں۔ قرآن کے الفاظ کی رسمی تلاوت کرنے والوں نے اگر اس کے مفاہیم پر بھی توجہ دی ہوتی، بلکہ قرآن کے الفاظ کے مطابق، انھیں تدبر کیا ہوتا تو آج اس کا نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ لوگ اپنے عمرانی و اقتصادی معاملات میں بے فیض نہ رہتے بلکہ فیض رساں ہوتے اور معاشی جبر و استحصال کے نظام نے اپنے پنجے نہ گاڑے ہوتے۔ قرآن کی یہ تعلیمات، جو نبوت کے ابتدائی زمانے میں جاری ہوئیں۔ فقط "مذہبی نوعیت" کی ہرگز نہ تھیں۔ بلکہ معاشرے کی مکمل صورت گری کا سامان ان میں بہ افراط موجود تھا۔ اسی اٹھان پر پورے کلام الٰہی کا زور، بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ مدنی آیات میں یہ تعلیمات ذرا مفصل اور کامل انداز میں، انتہائی دلنشیں پیرائے اور دلچسپ امثال میں بیان ہوئی ہیں۔ اس طرح قرآن مجید کا حرکیاتی تعلق، ہر دور کے اقتصادی مسائل سے جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جامعہ ازھر کے فتویٰ نے مستحقین کی معاشی مدد کے لئے ایک حدیث رسول ﷺ کو بنیاد بنایا ہے۔ مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ اقتصادی مسائل کے حل کی بنیادی روح خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ اور حدیث مذکور و دیگر احادیث، اسی بنیاد کی خوبصورت اور قابل عمل تعبیریں ہیں۔ دراصل زمانۂ نبوی ﷺ کی اقتصادیات کی تشکیل جدید، انہی خطوط پر استوار ہوئی تھی۔

مثلاً سورۂ حاقہ، اقتصادی صورتحال کے مرکزی محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ دیکھئے آیت نمبر ۳۴ "اور وہ محتاج اور ضرورت مند کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا"۔ خود کھانا کھلانے کا تصور بھی انھیں آگیا۔ سورۂ معارج بھی اقتصادی صورتحال کو واضح کر رہی ہے۔ دیکھئے آیت نمبر ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۵ "اور اس نے مال جمع کیا پھر (اسے تقسیم سے) روکے رکھا"۔ اور جب اسے بھلائی (یا مالی فراخی) حاصل ہو تو (ہاتھ) روک لیتا ہے"۔ اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اموال میں یہ حصہ مقرر ہے۔ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج اور ضرورت مندوں کا" سورۂ مزمل میں اقتصادی غارت گروں کے خلاف اللہ کا اعلان جنگ ہے۔ دیکھئے آیت نمبر ۱۱ "اور آپ مجھے اور جھٹلانے والے سرمایہ داروں کو (انتقام لینے کے لیے) چھوڑ دیں اور انہیں تھوڑی

سے مہلت دے دیں (تاکہ ان کے اعمال بد اپنی انتہا کو پہنچ جائیں)''۔ واضح رہے کہ سورۂ مزمل ابتدائی صورتوں میں سے ایک ہے۔ اور اسمیں ہمیں قرض حسن اور زکوٰۃ کا حکم بھی ملتا ہے۔ دیکھیے آیت نمبر ۲۰ کا ایک فقرہ: ''اور صلوٰۃ قائم رکھو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو قرض حسن (اسکی خوشنودی کے لیے) دیا کرو''۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشی بگاڑ کی اصلاح کرنا بھی کار نبوت میں شامل ہے۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ مدینے میں آکر فرض نہیں ہوئی بلکہ ابتدائے نبوت سے ہی فرض تھی۔ سورۂ مدثر میں بھی اقتصادیات کا حوالہ موجود ہے۔

دیکھیے آیت نمبر ۶: ''اور (اس غرض سے) احسان نہ کریں کہ اس کے بدلے میں زیادہ ملے''۔ دیکھیے آیت نمبر۱۲ ''اور اسے مال فرواں دیا''۔ دیکھیے آیت نمبر ۴۴ ''اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''۔ سورۂ الدہر کی آیت نمبر ۸ ۔ ۹ دیکھیے: ''اور اپنا کھانا اللہ کی محبت میں (خود اسکی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثار) محتاج، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ'' واضح رہے کہ مسکین، یتیم، اسیر، کوئی ہو، اسمیں مسلم کی شرط نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ خود بھی مشرکوں پر خرچ کردیا کرتے تھے اور آپکی اتباع اور تعلیم کے نتیجہ میں صحابہ بھی۔ یہ ہے وسعت اسلامی۔ البتہ مسلم کا حق غیر مسلم پر فائق ہوتا ہے۔ بشرطیکہ دونوں یکساں حقدار ہوں۔ ورنہ جو زیادہ حقدار ہوگا۔ پہلا حق اسی کا ہوگا۔ اسلامی تعلیم کا اصل الاصول ہی غرباء اور ضرورت مندوں کی خبرگیری کرکے انکی معاشی حالت کو بہتر کرنا ہے۔ بلکہ اسلام کے پھیلنے کی ایک حقیقی وجہ یہ بھی تھی۔ سورۂ مطففین کی ابتدائی چار آیات ملاحظہ کیجئے: ''بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔'' ان آیات میں جو معاشی صورتحال بیان ہوئی ہے۔ سچ بتایئے کیا یہ وہی نہیں، جو آج ہمیں بھی درپیش ہے۔ سورۂ فجر کی آیات (۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰) دیکھیے: ''یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر نہیں کرتے۔

اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایکدوسرے کو ترغیب دیتے ہو۔ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اسمیں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے) اور تم مال و دولت سے بیحد پیار کرتے ہو''۔ ان آیات میں بھی رواں معاشی صورتحال دیکھی جاسکتی ہے۔ سورۂ بلد کی آیت نمبر ۶ دیکھیے: ''وہ بڑے فخر سے کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہے'' نیز دیکھیے (آیات ۱۰۔ ۱۶) اور ہم نے اسے دونوں اونچے رستے دکھادیئے۔ سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرنا، یا بھوک والے دن (یعنی قحط و افلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا، (یعنی ان کے معاشی تعطل اور انتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا۔ قرابت دار یتیم کو، یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے۔ سورۂ الضحیٰ (آیت نمبر ۸) میں خود رسول اللہ ﷺ کی معاشی و تنگ دستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔'' اور تجھے تنگ دست پایا تو غنی کردیا'' سورۂ القارعہ (آیت نمبر ۸) دیکھیے: '' اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے'' سورۂ تکاثر میں ہوس مال وزر اور جہنم کو لازم وملزوم بتایا گیا ہے۔ ''تمہیں کثرت مال کی ہوس اور فخر ودیانے (آخرت سے) غافل کردیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہرگز نہیں! (مال و دولت تمہارے کام نہیں آئیں گے) تم عنقریب (اس حقیقت کو) جان لوگے۔ پھر (آگاہ کیا جاتا ہے) ہرگز نہیں! عنقریب تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہوجائے گا۔ ہاں ہاں اگر تم (مال و زر کی ہوس اور اپنی غفلت کے انجام کو) یقینی علم کے ساتھ جانتے (تو دنیا میں کھو کر آخرت کو اس طرح نہ بھولتے۔ تم (اپنی حرص کے نتیجے میں) دوزخ کو ضرور دیکھ کر رہوگے۔ پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے۔ پھر اس دن تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا (کہ تم نے انہیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے خرچ کیا تھا)''۔

دولت کا ارتکاز کتنا بڑا جرم ہے۔ قرآن نے اسکی سزا جہنم بتائی ہے۔ دیکھیے سورۂ ھمزہ: ''ہر اس شخص کے لیئے ہلاکت ہے جو طعنہ زنی کرنے والا اور عیب جوئی کرنے والا ہے۔ (خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لیے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ

گمان کرتا ہے کہ اسکی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں! وہ ضرور حطمہ (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر چڑھ جائیگی۔ بے شک وہ ان آگ ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کردی جائے گی۔ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لیے کوئی راہ فرار نہ رہے گی"۔ سورۂ ماعون بھی مکمل طور پر اقتصادی صورت حال کی نمائندہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے: کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور کیا، جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی استحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا) پس ان نمازیوں کے لیے تباہی ہے جو اپنی نمازوں یا فرائض حیات سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات کو روکتے ہیں۔"

یہ آخری دو پاروں میں سے وہ چند منتخب نگینے ہیں جو انسانی معاشرت کی اقتصادی صورتحال پر نہ صرف بھرپور تبصرہ ہیں بلکہ ان نگینوں میں معاشی ترقی اور اقتصادی میانہ روی کی جامع منصوبہ بندی کا فارمولہ بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ قومی آمدن کا بیس فیصد حصہ، غرباء کے لیے مختص ہونا خالصتاً ایک معروضی مسئلہ ہے نہ کہ موضوعی۔ گویا یہ ایک اطلاقی و انطباقی صورت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ پرسنٹیج (Percentage) مستحقیں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مزید بڑھائی جاسکتی ہے۔ بالعموم شرح فیصد کا تعلق، معروضی صورتحال سے وابستہ ہوتا ہے۔ جن ملکوں میں جیسی غربت ہے وہاں اسی مناسبت سے پرسنٹیج مقرر کی جاسکتی ہے۔ اس انقلابی فکر و عمل کے ساتھ مسلم اور غیر مسلم ملکوں سے یکساں طور پر غربت کو دور کرنا بلا تفریق مغرب و مشرق، اب تمام انسانوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ

اگر کچھ فرق نکلے گا تو بس شدت کا کچھ ورنہ
یہاں پر غم تمہارے اور ہمارے ایک جیسے ہیں

(مدیر اعلیٰ)

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۱۵، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء

نفاذ شریعت کے قرآنی اصول

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

In this article the Quranic principles for the enforcement of Shariah has been discussed in length with the help of Quranic verses. Seven stages have been mentioned for the enforcement of Shariah laws in any society. The first step is the legitimacy of the person who is going to enforce Shariah laws. Sometime this legitimacy is called Wilaya and the person who posses this wilaya is called wali. The next step is Dawa which means to offer the people to accept Shariah laws and the next step is the acceptance of dawa by the people which is also called eman. When a group of people declares eman (faith), it has to go through a process of purification of soul i.e. tahzeeb-e-nafs or tazkia. Simultaneously or just after tazkia, taleem (education) is started and when the people becomes educated (well aware) then the process of enforcement of Shariah laws begins. Shariah is not imposed by punishments. Punishments are for those few people who deviate

from the right path and commits social crimes despite of the acceptance of the supremacy of Shariah laws. All these stages need continuous study and research which is called ijtehad. For ijtehad basic policies of Quran and Sunnah should be same but strategies could be changed as per requirements of the time. In this way Shariah laws can also be made as international laws.

اس بات میں تو کوئی کلام نہیں کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح فقط عقائد اور اخلاقی تعلیمات کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نظام زندگی ہے۔ ایک ایسا نظام زندگی جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ البتہ جس چیز کو ہم اسلامی نظام زندگی سے تعبیر کرتے ہیں وہ کوئی بنا بنایا نظام نہیں ہے کہ جس کو نافذ کردیا جائے بلکہ ہدایات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی روشنی میں ہر دور کے اہل علم و ہنر سیاسی و اقتصادی نظام وضع کرتے رہیں گے اور اگر معاشرے کی شکل وہ ہوجائے جو اکیسویں صدی میں ہوچکی ہے یعنی معاشرے مختلف اکائیوں میں تقسیم ہوچکا ہو تو پھر ہر خطہ زمین کے لیے الگ الگ نظام وضع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ خود ایک موضوع ہے جو اس وقت زیر بحث نہیں ہے۔ جو چیز اس وقت زیر بحث ہے وہ یہ کہ جب یہ نظام وضع کیا جائے گا تو اس کا نفاذ کیسے ہوگا؟

بعض اہل علم نے اس چیز پر زور دیا ہے کہ اسلام تدریج کا قائل ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام انقلاب چاہتا ہے۔ یہ بحث بھی بہت طویل ہے تاہم اس کا خلاصہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ تدریج اور انقلاب کا تعلق اسلام کے مزاج سے نہیں بلکہ معاشرے کے مزاج سے ہے۔ بنیادی طور پر اسلام تبدیلی چاہتا ہے، کبھی کوئی معاشرہ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ اس میں اصلاح کا عمل تدریجی طور پر انجام دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی معاشرہ انقلاب کے دہانے تک پہنچ جاتا ہے اور یکلخت ایک بڑی تبدیلی کا متحمل ہوتا ہے۔ زیر بحث موضوع یہ ہے کہ تبدیلی کے عملی

بنیادیں کیا ہے؟ ہم ان بنیادوں کو سات اصول کا نام بھی دیتے ہیں۔ اس طرح سات مراحل یا سات اصول کی روشنی میں اس پورے عمل کو نتیجے تک پہنچانے کا عمل مکمل کیا جاسکتا ہے۔ یہ اصول قرآنی آیات سے اخذ کیے گئے ہیں البتہ قرآن کریم نے اس کو اس ترتیب سے بیان نہیں کیا تاہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ اہم کام کسی نہ کسی ترتیب کا متقاضی تو ہے۔ اس کی تائید سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوتی ہے اور آپ کی زندگی ہمارے لیے اسوہ کامل ہے پس اس سے بہتر ماڈل اور کیا ہوسکتا ہے؟

اصل اول: مشروعیت

اسلام چونکہ ایک دین ہے اور شریعت اس دین کی عملی صورت۔ پس دین و شریعت صرف اسی نظام کو کہا جائے گا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو۔ عقل، سائنس، تاریخ، اجماع، قیاس وغیرہ اس دین اور شریعت کی تشریح و استنباط کے لیے تو استعمال ہوسکتے ہیں تاہم اصل دین و شریعت منزول من اللہ ہے اور یہ ایک بنیادی نکتہ ہے۔ دوسری اہم نکتہ یہ ہے کہ دین و شریعت چونکہ خدا کے نظام کا نام ہے لہٰذا اس سے مصدق ہونے کے لیے ولایت ضروری ہے۔ ہر کس و ناکس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دین و شریعت کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے خواہ یہ معاملہ قرآن کریم میں لکھا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں چور کے لیے حکم ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اب اگر کوئی انسان کسی چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو کیا وہ اس کے ہاتھ کاٹ سکتا ہے؟ جی نہیں، وہ قرآن کے اس حکم پر عمل کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ یہ کام قاضی کا ہے اور وہ اس کا مجاز ہے۔ بالکل اسی طرح شریعت کے تمام معاملات کے لیے ولایت (اختیارات) ضروری ہے۔ قرآن کریم اس سلسلے میں بیان کرتا ہے کہ کن لوگوں کو حق ولایت حاصل ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (۱) بے شک تمہارا ولی و سرپرست صرف اور صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اہل ایمان میں سے وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اصل دوم: دعوت

نفاذ شریعت کا دوسرا بنیادی اصول دعوت ہے۔ شریعت چونکہ اللہ کا وہ نظام ہے جو انسان کی فلاح کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل کیا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو دعوت دی۔ جب بات دعوت کی ہوتی ہے تو یہ واضح ہے کہ دعوت ہمیشہ محبت اور عاجزی کے ساتھ دی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء کو ہادی قرار دیا ہے اور خود قرآن بھی کتاب ہدایت ہے۔ عربی میں تحفہ کو ہدیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ محبت کے ساتھ کسی کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرنے کو کہتے ہیں پس ہدایت سے مراد ہے محبت کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ نفرت کے ساتھ، عداوت کے ساتھ، بغض کے ساتھ، توہین آمیز رویہ کے ساتھ نہ ہدایت ہوسکتی ہے اور نہ دعوت۔ جب ہم اپنے گھر کی کسی تقریب میں کسی کو دعوت دیتے ہیں تو عاجزی و انکساری کے ساتھ دیتے ہیں لیکن جب اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں تو وہ عاجزی، انکساری اور محبت کہاں چلی جاتی ہے؟ قرآن کریم نے نہایت واضح الفاظ میں دعوت کے اسلوب کو بیان کیا ہے:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (۲)

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔

اصل سوم: قبولیت

دعوت کے ساتھ ہی دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ہے قبولیت کا۔ ضروری نہیں کہ ہر دعوت کو شرف قبولیت حاصل ہو۔ ادیان برحق کا کام دعوت دینا ہے قبول کرنا اور نہ کرنا فریق ثانی کا کام ہے۔ جب تک ایجاب وقبول کا یہ مرحلہ طے نہیں ہوجاتا نفاذ قانون کی بات نہیں ہوسکتی۔ جب تک کسی معاشرے کے لوگ اس بات کے قائل نہیں ہوجائیں گے کہ جس نظام کی دعوت دی جارہی ہے وہ ان کے لیے مفید ہے اس وقت تک اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ اب یہ بات ہادی اور داعی پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنے پیغام کو موثر انداز میں پہنچاتے